Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 04, **Issue** 03, July - September 2025, **PP**: 57-66
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کے معیارات

Standards of Reasoning from the Tacit Approvals of the Prophet (ﷺ)

1. Muhammad Sajid muhammad.sajidldr@gmail.com	*PhD Scholar,* *Department of Fiqh and Shariah,* *The Islamia University of Bahawalpur.*
2. Dr. Abdul Ghaffar abdul.ghaffar@iub.edu.pk	*Professor,* *Department of Islamic Studies,* *The Islamia University of Bahawalpur.*

How to Cite: Muhammad Sajid and Dr. Abdul Ghaffar. 2025: "Standards of Reasoning from the Tacit Approvals of the Prophet (ﷺ)". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 4 (03): 57-66.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
05-08-2025	08-09-2025	15-09-2025

Copyright: **©The Authors**

Licensing: CC BY — This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

DRJI · ADVANCED SCIENCES INDEX · ADVANCED SCIENCE INDEX · CiteFactor · ASIAN Research Index · SCI · Google Scholar · اردو جرائد اشاریہ · تحقیقات تحقیقاتی اشاریہ · ADL ASIAN DIGITAL LIBRARY · EuroPub

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کے معیارات

Standards of Reasoning from the Tacit Approvals of the Prophet (ﷺ)

1. **Muhammad Sajid**
   PhD Scholar, Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
   muhammad.sajidldr@gmail.com

2. **Dr. Abdul Ghaffar**
   Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
   abdul.ghaffar@iub.edu.pk

Abstract

The tacit approvals (*taqrīrāt*) of the Prophet Muḥammad (ﷺ) represent a significant source of Islamic law and jurisprudential reasoning, as they embody the Prophet's silent endorsement of particular acts, sayings, or practices performed in his presence. This research explores the methodological and epistemological standards through which jurists infer legal and moral rulings from such tacit approvals. It examines the conditions under which a tacit approval attains evidentiary authority (*ḥujjiyyah*), such as the Prophet's awareness of the act, absence of disapproval, and contextual relevance. The paper further analyzes the standards of reasoning (*ma'āyīr al-istidlāl*) applied by classical jurists, including considerations of time, circumstance, and custom, and evaluates how these standards ensure the reliability of inferences drawn from silence or non-objection. Comparative discussions between the major schools of Islamic jurisprudence reveal nuanced differences in the scope and application of tacit approvals in deriving legal rulings. The study concludes that *taqrīrāt nabawiyyah* provide a profound epistemic foundation for understanding the Prophet's normative guidance, emphasizing that reasoning from them must adhere to strict methodological standards that preserve both textual integrity and juristic precision.

Keywords: *Taqrīrāt, Tacit Approvals, Islamic Law, Custom, Reasoning.*

تمہید

احکامِ شریعت کے استنباط میں سنتِ رسول ﷺ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں قولی و فعلی احادیث رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی براہ راست ترجمانی کرتی ہیں وہیں تقریرات آپ ﷺ کی عملی یا قولی توثیق و تائید سے عبارت ہیں۔ فقہاء کرامؒ کے نزدیک تقریراتِ رسول ﷺ استدلال اور استنباط احکام کا ایک اہم ذریعہ ہیں تاہم ان سے استفادہ کے وقت انتہائی محتاط اور علمی معیارات کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے۔ یہ معیارات شریعت کے مقاصد، دلائل کی قوت اور استدلال کی صحت کو یقینی بناتے ہیں۔ تقریرِ رسول ﷺ کی بنیاد پر کسی امر کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دینے سے قبل ان معیارات کا مکمل ادراک اور ان کا اطلاق فقیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ زیرِ نظر مقالہ انہی معیارات کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ آئندہ سطور میں ایک ایک کر کے ان معیارات کو بیان کیا جاتا ہے۔

اوّل: رسول اللہ ﷺ کی موجودگی یا کسی قول و فعل کا یقینی علم

تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کا سب سے پہلا اور اہم معیار یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس فعل یا قول کی مکمل اطلاع حاصل ہوئی ہو۔ صرف موجودگی ہی کافی نہیں بلکہ یہ یقین ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی صراحتاً یا تلویحاً خبر پہنچی اور آپ ﷺ نے اسے جان لیا۔ اگر کسی معاملے میں آپ ﷺ کی عدم واقفیت کا احتمال غالب ہو یا کوئی شہادت اس طرف اشارہ کرتی ہو کہ آپ

ﷺ اس سے بے خبر رہے تو ایسی صورت میں سکوت یا عدم رد عمل کو جواز یا توثیق کے لیے بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ علم کے بغیر سکوت کو رضا و قبول پر محمول کرنا اصولی لحاظ سے درست نہیں۔ جیسا کہ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں واضح کیا ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ کے ثبوت کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس امر کا علم ہوا ہو۔ لکھتے ہیں:

والتقرير أن يطلع النبي ﷺ على فعلٍ فيسكت عليه،ولا بد من تحقق علمه به؛لأن السكوت مع الجهل لا يدل على الرضا۔[1]

تقریرِ رسول ﷺ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی فعل پر مطلع ہوں پھر خاموش رہیں اور آپ ﷺ کو اس فعل کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر علم کے خاموشی رضامندی پر دلالت نہیں کرتی۔

سکوتِ نبوی ﷺ کو حجیت صرف اُس وقت ملتی ہے جب وہ اختیاری رد عمل ہو۔ علم کے بغیر سکوت غیر ارادی عدمِ عمل شمار ہوتا ہے جو شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔

دوم: رسول اللہ ﷺ کے انکار کی واضح امکانیت

دوسرا بنیادی معیار یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سکوت یا عدم انکار اس وقت ہوا ہو جب آپ ﷺ کا انکار کرنا ضروری اور متوقع ہو۔ یعنی وہ عمل یا قول کسی ایسے معاملے سے تعلق رکھتا ہو جو شریعت میں واضح طور پر ممنوع ہو یا جس پر نکیر کرنا آپ ﷺ کا معمول ہو۔ اگر کوئی صحابی کسی مباح یا جائز امر کا ارتکاب کرے اور آپ ﷺ خاموش رہیں تو اس سکوت کو اس امر کے جواز پر دلالت کرنے والی معتبر تقریر سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ معاملہ کسی حرام یا منکر سے متعلق ہو اور آپ ﷺ کی جانب سے کوئی رد عمل ظاہر نہ ہو تو ایسی صورت میں سکوت کو تائید پر محمول کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ آپ ﷺ کے فرض تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے منافی ہوگا۔ امام شاطبیؒ نے الموافقات میں اس نکتے کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ اس وقت معتبر ہوتی ہے جب سکوت کا موقع انکار ہو۔ لکھتے ہیں:

وَلَوْلَا أَنَّ السُّكُوتَ فِي مَوْضِعِ الْإِنْكَارِ إِقْرَارٌ؛لَمَاجَازَ الْاِحْتِجَاجُ بِالتَّقْرِيرِ،لِأَنَّهُ إِمْضَاءٌ لِمَا عُلِمَ،وَلَوْ كَانَ مُنْكَرًا لَأَنْكَرَهُ۔[2]

اگر سکوتِ رسول ﷺ موقع انکار پر اقرار کی دلیل نہ ہوتی تو تقریرِ رسول ﷺ سے استدلال جائز نہ ہوتا؛ کیونکہ یہ اُس امر کی توثیق ہے جس کا علم ہو۔ اگر وہ ناپسندیدہ عمل ہوتا، تو ضرور اُسے رد فرماتے۔

سکوتِ نبوی ﷺ تب ہی شرعی دلیل بنتا ہے جب وہ موقع انکار ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی صحابیؓ کھلم کھلا شراب پیئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش رہیں تو یہ سکوت تقریرِ رسول ﷺ نہیں کہلائے گا بلکہ یہ آپ ﷺ کے فرضِ تبلیغ کے منافی ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا منصب ہی تبلیغِ حق اور ردِ باطل ہے۔ لہٰذا کسی منکر پر سکوت آپ ﷺ کے شانِ رسالت کے خلاف ہے۔ امام شاطبیؒ کی دلیل کا لبِ لباب یہ ہے کہ سکوت صرف اُسی صورت میں ہے جب آپ ﷺ کا انکار کرنا عقلاً و شرعاً متوقع ہو۔

سوم: تقریراتِ رسول ﷺ کے ورود کی شرعی حیثیت

تیسرا اہم معیار یہ جانچنا ہے کہ فعل صحابی کس نوعیت کا ہے۔ کیا یہ کوئی شرعی حکم بیان کر رہا ہے جیسے نماز کی کیفیت، زکوٰۃ کا نصاب یا محض ایک عادی یا دنیاوی معاملہ جیسے کھانا پینا، لباس پہننا، کھیتی باڑی کا کوئی طریقہ ہو۔ اگر فعل کا تعلق شرعی احکام کی تعیین یا تفسیر سے ہو اور آپ ﷺ اس پر سکوت فرمائیں یا اس کی تائید کریں تو اس کی دلالت بہت قوی ہوتی ہے اور اسے شریعت کے حکم کے تعین کے

لیے حجت مانا جاتا ہے۔ مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مختلف عبادات مثلاً نماز یا روزے کے بعض اجزاء کو ادا کرنے کا طریقہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا وہ اس طریقے کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اگر فعل کا تعلق محض عادات یا دنیاوی معاملات سے ہو تو ایسی صورت میں سکوت یا تائید کو اس امر کے شرعی جواز یا استحباب پر محمول کرنے کے بجائے اسے عرفِ عام یا مباحات میں شمار کیا جائے گا۔ اس کی حجیت اس وقت تک محدود رہے گی جب تک کہ اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔ امام قرافیؒ نے الفروق میں عبادات اور عادات میں فرق کرتے ہوئے تقریرِ رسول ﷺ کے استدلال پر اس کے اثرات کو واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

إِنَّ السُّكُوتَ عَلَى الْأَفْعَالِ إِنَّمَا يَكُونُ حُجَّةً فِي الْعِبَادَاتِ دُونَ الْعَادَاتِ،لِأَنَّ الْعِبَادَاتِ تَوْقِيفِيَّةٌ وَالْعَادَاتُ الْأَصْلُ فِيهَا الْعَفْوُ۔ [3]

افعال پر سکوت صرف عبادات میں حجت بنتا ہے نہ کہ عادات میں کیونکہ عبادات توقیفی شرعی نص پر موقوف ہیں جبکہ عادات میں اصل اباحت ہے۔

امام قرافیؒ کی یہ دلیل موردِ تقریر کی نوعیت پر شرعی حکم کے انحصار کو واضح کرتی ہے:

- اوّل یہ کہ اگر کوئی صحابیؓ نماز، روزہ یا حج جیسے شرعی عباداتی افعال کو نئے طریقے سے ادا کرے اور رسول اللہ ﷺ سکوت فرمائیں تو یہ سکوت اس عمل کے جواز کی دلیل بن جاتا ہے کیونکہ عبادات میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ مثلاً صحابہؓ کا مسجد میں اجتماعی تراویح پڑھنا جس پر رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً سکوت فرمایا۔
- دوم یہ کہ کھانے پینے، لباس یا تجارت جیسے معاملات عرفیہ میں سکوت محض عدم ممانعت کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ شرعی استحباب یا فرضیت مثلاً صحابہؓ کا مختلف خطوں کے رواجی لباس پہننا۔
- سوم یہ کہ عبادات میں ہر فعل منصوص ہدایت کے تابع ہے اس لیے تقریرِ رسول ﷺ سے نیا حکم مستنبط ہو سکتا ہے۔ جبکہ عادات میں سوائے کسی نص تحریم کے اصل اباحت ہے۔

چہارم: عذرِ شرعی کا استبعاد: مجبوری، نسیان یا خلافِ عادت

چوتھا معیار یہ ہے کہ تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ کیا وہ فعل یا قول کسی خاص سبب یا عذر کی بنا پر سرزد ہوا تھا۔ کبھی کسی مجبوری، نسیان یا خاص حالات کے تحت کوئی کام ہو جاتا ہے جس پر آپ ﷺ نے اس وقت کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں اس فعل کو عام حکم کے لیے بنیاد بنانا درست نہیں ہو گا کیونکہ یہ خاص حالت میں سرزد ہوا تھا۔ تقریرِ رسول ﷺ سے استدلال اس وقت ہی معتبر ہوتا ہے جب وہ فعل بلا کسی ظاہر عذر اور عام حالات میں سرزد ہوا ہو۔ مثلاً اگر کسی صحابی نے کسی عذر کی بنا پر نماز ترک کر دی ہو اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہ فرمائی ہو تو اس سے نماز ترک کرنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن قیم الجوزیہؒ نے اعلام الموقعین عن رب العالمین میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے خاص اسباب کو تقریرِ رسول ﷺ کی عمومیت میں مانع قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَالْفِعْلُ الْوَاقِعُ عَلَى سَبِيلِ الِاضْطِرَارِ أَوِالنِّسْيَانِ أَوْ خِلَافِ الْعَادَةِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ؛لِأَنَّ الْحُكْمَ يُنْسَبُ إِلَى الْاخْتِيَارِ لَا إِلَى الِاضْطِرَارِ۔ [4]

وہ فعل جو مجبوری، بھول یا خلافِ عادت کے طور پر سرزد ہو وہ شرعی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ حکم کا تعلق اختیاری عمل سے ہوتا ہے نہ کہ اضطراری حالت سے۔

پنجم: نصوصِ شرعیہ اور اجماع سے عدمِ تصادم

پانچواں معیار یہ ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ سے مستنبط حکم، قرآن مجید، متواتر یا مشہور سنت قولیہ یا فعلیہ، یا اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ اگر تقریرِ رسول ﷺ کسی واضح نص قطعی یا اجماعی حکم کے منافی ہو تو اس تقریر کی دلالت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ ایسی صورت میں یا تو تقریرِ رسول ﷺ کی صحت پر ہی نظر ثانی کی جائے گی یا اس کی کوئی تاویل و توجیہ پیش کی جائے گی یا پھر یہ مانا جائے گا کہ وہ خاص حالت میں تھی جو عام حکم کو منسوخ نہیں کرتی۔ دلیل قطعی کے مقابلے میں تقریرِ رسول ﷺ، جو اکثر ظنی الدلالت ہوتی ہے معتبر نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ امام غزالیؒ نے المستصفی من علم الأصول میں دلائل کے درجات بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ظنی الدلالت دلیل قطعی الدلالت دلیل کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتی۔ وہ فرماتے ہیں:

وَالظَّنِّيُّ لَا يُعَارِضُ الْقَطْعِيَّ، فَإِنْ عَارَضَهُ فَالْقَطْعِيُّ مُقَدَّمٌ، وَالظَّنِّيُّ مَرْدُودٌ؛ لِأَنَّ مَعْنَى الْمُعَارَضَةِ طَلَبُ إِزَالَتِهِ، وَالْقَطْعِيُّ لَا يُزَالُ بِالظَّنِّيِّ۔[5]

ظنی الدلالت یعنی غیر قطعی دلیل قطعی دلیل کے مقابل نہیں آسکتی۔ اگر وہ اس سے ٹکرا جائے تو قطعی دلیل مقدم ہوگی اور ظنی دلیل مردود ٹھہرے گی کیونکہ تعارض کا مطلب ہے ایک دوسرے کو زائل کرنا اور قطعی دلیل کو ظنی دلیل سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ اصول تقریرِ رسول ﷺ سے استنباط کی بنیادی شرط طے کرتا ہے کہ قرآن مجید، متواتر سنت یا اجماع جیسی قطعی الدلالۃ کے مقابلے میں تقریرِ رسول ﷺ جو عموماً ظنی الدلالۃ ہوتی ہے معتبر نہیں رہتی۔ مثلاً اگر تقریرِ رسول ﷺ سے سود کی کوئی جدید شکل جائز ثابت ہونے لگے جبکہ قرآن میں سود کی حرمت قطعی ہے تو تقریرِ رسول ﷺ کا استدلال لغو ہے۔ تعارض کی صورت میں تقریرِ رسول ﷺ کی تین تاویلات متصور ہیں:

- اول یہ کہ تاویل کی ایسی تفسیر کی جائے جو قطعی نصوص سے ہم آہنگ ہو۔
- دوم یہ کہ تقریرِ رسول ﷺ کو خاص حالات تک محدود کردیا جائے۔
- سوم یہ کہ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو تقریرِ رسول ﷺ چھوڑ دی جائے۔

ششم: تقریرِ رسول ﷺ کے فاعل کی فقاہت اور عدالت

چھٹا معیار یہ ہے کہ تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کرتے وقت اس صحابی کی فقاہت اور علم و عدالت کو بھی ملحوظ رکھا جائے جس کا فعل یا قول موضوعِ بحث ہے۔ اگر صحابی کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے اور ان کا عمل کسی شرعی حکم کی تعبیر و تشریح پر محمول ہو سکتا ہے تو اس تقریرِ رسول ﷺ کی دلالت زیادہ قوی ہوگی۔ جبکہ اگر صحابی کا تعلق عام لوگوں سے ہو اور اس کا فعل محض عادت یا سہو کا نتیجہ لگے تو ایسی تقریرِ رسول ﷺ سے شرعی حکم مستنبط کرنے میں احتیاط برتنی چاہیے۔ تاہم یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بنیادی طور پر عادل اور قابل اعتماد ہیں۔ امام سرخسیؒ نے فقہاء صحابہ کے اقوال و افعال کے استدلال میں اس امر کی وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَالتَّقْرِيرُ إِذَا صَدَرَ مِنْ فَقِيهٍ عَادِلٍ كَانَ حُجَّةً؛لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الرِّوَايَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَإِلَّا فَلَا يُعْتَدُّ بِهِ لِاحْتِمَالِ الْجَهْلِ أَوِ الْغَلَطِ۔[6]

تقریرِ رسول ﷺ جب کسی فقیہ اور عادل شخص سے صادر ہو تو حجت ہے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرنے کے مترادف ہے۔ ورنہ اسے معتبر نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اس میں جہالت یا غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔

عام صحابی کے بجائے فقیہ صحابی جیسے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ کا فعل تقریر کی صورت میں زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ان کا عمل عموماً دلیلِ شرعی کی رُو سے ہوتا ہے نہ کہ غلط فہمی یا عادتاً۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فقیہ الملوک تھے۔ ان کا کسی معاملے میں فعل اور اس پر رسول ﷺ کا سکوت دیگر صحابہؓ کے افعال کے مقابلے میں زیادہ حجت رکھتا ہے۔

ہفتم: مقاصدِ شریعت سے ہم آہنگی کا معیار

ساتواں معیار یہ ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ سے مستنبط حکم شریعت کے مقاصد کلیہ کے مطابق ہو۔ اگر کسی تقریرِ رسول ﷺ سے کوئی ایسا حکم مستنبط ہوتا ہے جو ان مقاصد کے منافی ہو یا ان میں خلل ڈالتا ہو تو فقیہ کو اس تقریرِ رسول ﷺ کی صحت، دلالت یا اس کے اطلاق پر دوبارہ غور کرنا چاہیے۔ شریعت کا مقصد رفع حرج اور جلب مصلحت ہے۔ لہٰذا کسی تقریرِ رسول ﷺ کی بنیاد پر اگر کوئی حکم انسانی زندگی میں غیر ضروری حرج یا مشقت کا باعث بنے یا کسی واضح مصلحت کو نقصان پہنچائے تو ایسے استنباط کو شریعت کے عمومی مزاج اور مقاصد کے خلاف سمجھا جائے گا۔ امام عزالدین بن عبد السلامؒ نے قواعد الاحکام میں شریعت کے مقاصد کے ساتھ دلائل کی مطابقت کو اہم اصول قرار دیا ہے۔

كُلُّ حُكْمٍ خَرَجَ عَنْ مَقَاصِدِ الشَّرْعِ فَهُوَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّ الشَّرِيعَةَ مَبْنَاهَا عَلَى جَلْبِ الْمَصَالِحِ وَدَرْءِ الْمَفَاسِدِ۔[7]

ہر وہ حکم جو شریعت کے مقاصد سے خارج ہو وہ باطل ہے کیونکہ شریعت کی بنیاد مصالح حاصل کرنے اور مفاسد دفع کرنے پر ہے۔

تقریرِ رسول ﷺ سے مستنبط حکم کا شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد، حفظِ دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی تقریری استدلال ان مقاصد کے منافی ہو مثلاً وہ انسانی جان یا مال کو خطرے میں ڈالے یا دینی اقدار کو مجروح کرے تو ایسا استنباط ناجائز ہے۔ مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تقریرِ رسول ﷺ کی تشریح کرنا فقیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے کیونکہ سکوتِ نبوی ﷺ کا مقصد مصلحت کی توثیق ہوتا ہے نہ کہ فساد کی۔

ہشتم: سیاق وسباق کی تنقیح کا مقصد: وقتی مصلحت یا مستقل حکم

آٹھواں معیار یہ ہے کہ تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کرتے وقت اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا آپ ﷺ کا سکوت یا تائید اس امر کی صراحتاً علامت تھی یا یہ محض ایک وقتی ردعمل تھا جسے قانونی حیثیت دینا مقصود نہیں تھا۔ بعض اوقات حکمت عملی، نرمی، تعلیم یا کسی اور مصلحت کے پیشِ نظر آپ ﷺ کسی فعل پر فوراً انکار نہیں فرماتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فعل جائز یا مستحب ٹھہرا۔ فقیہ کو تقریرِ رسول ﷺ کا سیاق وسباق اور پس منظر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ امام ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس امر پر زور دیا ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ کو سیاق اور حالات کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لکھتے ہیں:

وَسُكُوتُهُ ﷺ عَنْ بَعْضِ الْأُمُورِ قَدْ يَكُونُ لِمَصْلَحَةٍ وَقْتِيَّةٍ؛ فَلَا يَدُلُّ عَلَى الْإِبَاحَةِ الْمُطْلَقَةِ، بَلْ يَجِبُ نَظَرُ الْمَقَامِ وَالْحَالِ۔[8]

آپ ﷺ کا بعض امور پر سکوت وقتی مصلحت کی وجہ سے ہوتا تھا پس یہ مطلق اباحت پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ مقام وحالات پر غور کرنا ضروری ہے۔

ابن تیمیہؒ کے مطابق کسی بھی نص کا درست مفہوم تبھی متعین ہو سکتا ہے جب اس کے نزولی یا زمانی سیاق وسباق کا صحیح ادراک

ہو۔ یہ نہ صرف مفہوم کی تعیین میں مددگار ہے بلکہ کسی آیت یا حدیث کے احکام کے اطلاق میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ سیاق وسباق کی تنقیح مصلحت پر مبنی ایک مستقل علمی اصول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نصوص کی تشریح کا انحصار خارجی مصالح کے بجائے داخلی ساخت پر ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے آئمہ کرامؒ نے ہمیشہ سیاق وسباق کو فہمِ دین کا بنیادی اصول قرار دیا۔

نہم: تقریری شواہد میں تعارض کا تطبیقی حل

نواں معیار یہ ہے کہ اگر ایک ہی نوعیت کے مختلف واقعات میں آپ ﷺ کا ردعمل مختلف رہا ہو تو اس کی وجوہات کا تجزیہ کیا جائے۔ کبھی آپ ﷺ نے کسی فعل پر سکوت فرمایا، کبھی اس کی تائید کی اور کبھی واضح انکار فرمایا۔ ایسی صورت میں محض ایک واقعے کی بنیاد پر کلی حکم لگانے کے بجائے تمام واقعات کو یکجا دیکھ کر اور ان کے مابین فرق کو سمجھ کر ہی کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ فرق کی بنیاد وقت، مقام، حالات یا فاعل کے احوال پر ہو۔ امام شافعیؒ اپنی اصولی تصنیف الرسالہ میں فرماتے ہیں:

إِذَا تَعَارَضَ التَّقْرِيرَانِ فَالْوَاجِبُ طَلَبُ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا فَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ فَالتَّرْجِيحُ بِالْقُوَّةِ وَإِنِ اسْتَوَيَا فَالْوُقُوفُ حَتَّى يَظْهَرَ مَرْجِحٌ۔ [9]

جب دو تقریری شواہد باہم متعارض ہوں تو لازم ہے کہ ان کے مابین تطبیق کی کوشش کی جائے۔ اگر ناممکن ہو تو قوی تر کو ترجیح دی جائے۔ اگر دونوں برابر ہوں تو توقف ضروری ہے یہاں تک کہ کوئی راجح پہلو ظاہر ہو جائے۔

تقریری شواہد میں تعارض کی صورت میں تطبیق اولین ترجیح ہوتی ہے کیونکہ اس سے دونوں دلائل کو عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اگر دو حدیثوں کے درمیان جمع ممکن ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور کسی ایک کو ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ دونوں دلائل پر عمل ممکن ہو تو ان کو جمع کرنا ضروری ہے۔ تقریری شواہد میں تعارض کے تطبیقی حل کے لیے فقہی اصول یہ ہے کہ اگر دو شواہد میں تعارض پایا جائے تو سب سے قوی اور معتبر شواہد کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کا مقصد عدل وانصاف کا قیام ہے تاکہ صحیح فتویٰ تک پہنچا جاسکے۔ رفعِ تعارض سے فتویٰ میں توازن واعتدال قائم رہتا ہے۔ یہ حل فقہی اجتہاد کی اصل بنیاد ہے جس سے مختلف شواہد کے درمیان صحت اور ترجیح کا تعین ہوتا ہے۔

دہم: استثنائی صورتوں میں تخصیصِ دلیل کی ضوابط

دسواں معیار یہ ہے کہ تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کے وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ کیا وہ تقریرِ رسول ﷺ کسی ایسے قاعدہ کلیہ یا اصل شرعی کی تائید کرتی ہے جو دیگر دلائل سے ثابت ہے یا پھر وہ اپنے آپ میں کوئی نئے حکم یا استثناء کی بنیاد بن رہی ہے۔ پہلی صورت میں تقریرِ رسول ﷺ اس قاعدے کی تائید اور توثیق کا کام کرتی ہے اور اس کی حیثیت مؤید ومکمل کی ہوتی ہے۔ لیکن دوسری صورت میں جب تقریرِ رسول ﷺ کسی نئے حکم یا عمومی قاعدے سے استثناء کی بنیاد بنے تو اس کے لیے تقریرِ رسول ﷺ کا ثبوت انتہائی صحیح واضح اور بلا کسی معارض کے ہونا چاہیے نیز اس کا اطلاق بھی محدود اور خاص حالات تک ہی ہونا چاہیے۔ امام شوکانیؒ نے ارشاد الفحول میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ سے مستنبط احکام کا درجہ دیگر ادلہ کی طرح ہو سکتا ہے اگر اس میں حجیت کی تمام شرائط پائی جائیں۔ استثنائی صورتوں میں عمومِ دلیل کی تخصیص صرف اُس وقت جائز ہے جب اس کی پشت پر قطعی یا راجح دلیل موجود ہو، ورنہ عموم پر عمل واجب رہتا ہے۔ امام فخر الدین الرازی فرماتے ہیں:

الأصل في العموم البقاء على عمومه حتى يقوم دليل التخصيص۔ [10]

عموم کا اصل یہ ہے کہ جب تک تخصیص کی دلیل قائم نہ ہو، اس پر عمل باقی رہتا ہے۔

اس اصول کے مطابق کسی عام حکم کو استثنائی صورت میں محدود کرنا صرف اسی وقت درست ہے، جب تخصیص کے لیے واضح

اور مضبوط دلیل موجود ہو۔ قیاس یا مصلحتِ ظنی سے عموم کو محدود کرنا فقہی اصول کے خلاف ہے۔ تخصیص کی اجازت صرف معتبر نص یا اجماع کی صورت میں دی جاتی ہے۔ اس سے شریعت کی قطعیت اور اصولی ہم آہنگی محفوظ رہتی ہے۔

یازدہم: تقریرات سے استدلال واستنباط کے لئے فقاہت اور تحرز

ایک اہم معیار جو تمام معیارات کا نچوڑ ہے وہ یہ ہے کہ تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال اور استنباط احکام کا کام صرف وہی اہل علم کرسکتے ہیں جنہیں قرآن وسنت کا گہرا علم ہو جنہیں اصول فقہ میں مہارت حاصل ہو، جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و مناقب اور سیرت رسول ﷺ سے واقفیت ہو اور جن میں فقہی بصیرت اور احتیاط کا مادہ موجود ہو۔ تقریرِ رسول ﷺ کی بنیاد پر احکام شرعیہ کا استنباط ایک ذمہ دارانہ کام ہے جس میں جلد بازی یا ہر واقعے سے حکم نکالنے کا رجحان بہت سے غلط نتائج کی وجہ بن سکتا ہے۔ ایک فقیہ کا فرض ہے کہ وہ مذکورہ بالا تمام معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے انتہائی دیانتداری، علمی جرأت اور احتیاط کے ساتھ تقریراتِ رسول ﷺ سے شریعت کے احکام کو سمجھنے اور انہیں زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کا فریضہ سرانجام دے۔ امام ابن قدامہ المقدسیؒ نے روضۃ الناظر میں اصولی استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ اسْتِنْبَاطُ الْأَحْكَامِ مِنَ التَّقْرِيرِ إِلَّا لِمَنْ تَمَكَّنَ مِنْ عُلُومِ الْأَدِلَّةِ،وَبَلَغَ رُتْبَةَ الِاجْتِهَادِ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاللُّغَةِ۔ [11]

تقریرِ رسول ﷺ سے احکام کا استنباط صرف اسی شخص کے لیے درست ہے جس نے دلائل کے علوم میں مہارت حاصل کی ہو اور کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور زبانِ عربی میں اجتہاد کی سطح تک پہنچا ہو۔

فقہی استنباط کے لیے علمِ نصوص، فہمِ اصول اور تحرز بنیادی شرائط ہیں جن کے بغیر استنباط ناقابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ کے مطابق یہ شرائط حُرْمَةُ الْفَتْوَى یعنی فتویٰ کی حرمت کا تقاضا ہیں۔ مثلاً اگر غیر اہل شخص تقریرِ رسول ﷺ سے استنباط کرے تو اس کا استدلال قَولٌ بِغَیرِ عِلمٍ شمار ہوگا جس پر قرآن میں سخت وعید آئی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ [12]

تم فرماؤ میرے رب نے تو ظاہری باطنی بے حیائیاں اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک قرار دو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ باتیں کہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

فقیہ کا فرض ہے کہ وہ ان شرائط کو پورا کیے بغیر تقریرِ رسول ﷺ سے استدلال کی جسارت نہ کرے۔ امام الشاطبیؒ فرماتے ہیں:

الاستنباط لایکون إلالمن تحصل له في فهم الشريعة ملكةفإنه بها يُتوصل إلى معرفة مآخذها وعللها[13]

استنباط صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے شریعت کے فہم میں مہارت حاصل ہو، کیونکہ اسی سے شریعت کے مصادر اور علتوں تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔

امام شاطبیؒ کے مطابق صرف وہی فقیہ صحیح استنباط کا حق دار ہے جو نصوصِ شریعت سے مکمل آگاہی، اصولِ فقہ پر عبور اور دینی معاملات میں علمی احتیاط رکھتا ہو۔ محض ظاہری معلومات یا جذباتی رجحانات استنباط کا معیار نہیں بن سکتے۔ یہ شرائط فقہی گہرائی اور علمی توازن کی ضامن ہیں۔ اسی بنیاد پر مجتہدین کا درجہ متعین ہوتا ہے۔

تقریراتِ رسول ﷺ شریعت اسلامیہ کے خزانے کا ایک قیمتی جزو ہے۔ اس سے استفادہ کر کے شریعت کے عملی تطبیق، وسعت اور جزئیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ تاہم اس ذریعہ استدلال سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے ان علمی معیارات اور اصولی ضوابط کی پاسداری ناگزیر ہے۔ ان معیارات کا مقصد تقریرِ رسول ﷺ کی حقیقی دلالت کو برقرار رکھنا، استدلال میں غلطیوں سے بچنا اور شریعت کے مقاصد کلیہ کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں ہی تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال، شریعت کی صحیح ترجمانی اور اس کے احکام کی درست تفہیم کا مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ فقہی اجتہاد کی تاریخ میں ان معیارات کا التزام ہی وہ بنیاد ہے جس پر مستحکم اور قابل اعتماد فقہی نتائج مرتب ہوئے ہیں اور جن کی روشنی میں معاصر مسائل کا شرعی حل پیش کرنا ممکن ہو سکا ہے۔

حاصل بحث

تقریراتِ رسول ﷺ سے استدلال کے لیے متعدد معیارات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی صحیح مراد اور احکامِ شرعیہ کو صحیح طور پر سمجھا جاسکے۔ پہلا معیار یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی یا آپ ﷺ کو اس معاملے کی اطلاع یقینی ہو۔ دوسرا معیار یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس قول یا فعل پر انکار کرنے کا موقع حاصل ہو تاکہ سکوتِ رسول ﷺ کو رضامندی پر محمول کیا جاسکے۔ تیسرا معیار یہ ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت کو متعین کرنا ہے کہ سکوتِ رسول ﷺ محض بشری سکوت ہے یا شرعی سکوت ہے۔ چوتھا معیار یہ ہے کہ کسی ممکنہ عذر جیسے نسیان، مجبوری یا دیگر موانع کو مستبعد سمجھا جائے تاکہ سکوتِ رسول ﷺ کو دلیل بنایا جاسکے۔ پانچواں معیار یہ ہے کہ تقریرِ رسول ﷺ نصوصِ قطعیہ یعنی قرآن مجید، سنتِ رسول ﷺ یا اجماع امت کے متصادم نہ ہو۔ چھٹا معیار یہ ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ میں بیان کردہ موردِ فاعل کی عدالت اور فقاہت کو تسلیم کیا جائے تاکہ اس کے فعل کو سنتِ رسول ﷺ میں شامل کیا جاسکے۔ ساتواں معیار مقاصدِ شریعت سے ہم آہنگی کا ہے تاکہ تقریرِ رسول ﷺ شریعت کے اعلیٰ مقاصد کے مخالف نہ ہو۔ اٹھواں معیار سیاق وسباق کی وضاحت ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی وقتی مصلحت پر مبنی عمل ہے یا دائمی عمل ہے۔ نواں معیار یہ ہے کہ اگر مختلف تقریرِ رسول ﷺ میں تعارض ہو تو تطبیق یا ترجیح کا معیار اختیار کیا جائے۔ دسواں معیار یہ ہے کہ اگر کوئی تخصیصی دلیل موجود ہے تو اس کو قبول کیا جائے اور عام حکم پر اطلاق نہ کیا جائے۔ گیارہواں معیار یہ ہے کہ اصول فقہ، علم نصوص اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے فہم کا ادراک ہے تاکہ تقریرِ رسول ﷺ سے استنباط ایک علمی و شرعی بنیاد پر کیا جاسکے۔ چنانچہ تقریراتِ رسول ﷺ سے فقہی احکام کے اخذ واستنباط کے وقت ان معیارات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباري شرح صحيح البخاري، (مصر: المکتبۃ السلفیۃ، 1390ھ)، 13/234۔

[2] الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشريعة، (بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، 1382ھ)، 4/18۔

[3] القرافی، احمد بن ادریس، أنوار البروق في أنواء الفروق، (بیروت: دار عالم الکتب، 1439ھ)، 1/176۔

[4] ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن ابی بکر، إعلام الموقعين عن رب العالمين، (بیروت: دار ابن حزم، 1440ھ)، 2/318۔

[5] الغزالی، محمد بن محمد، المستصفى من علم الأصول، (بیروت: دار صادر، 1439ھ)، 1/141۔

[6] السرخسی، محمد بن احمد، أصول السرخسی، (بیروت: دار المعرفۃ للنشر والتوزیع، 1395ھ)، 1/318۔

[7] ابن عبد السلام، عزالدین عبد العزیز، قواعد الأحكام في مصالح الأنام، (قاہرۃ: مکتبۃ الکلیات الأزھریۃ، 1414ھ) 1/8۔

[8] ابن تیمیہ، تقي الدين احمد بن عبد الحليم، **مجموع الفتاوى**، (مدینۃ منورۃ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، 1425ھ)، 20/16۔

[9] الشافعی، محمد بن ادریس، **الرسالۃ**، (قاہرۃ: مطبعۃ مصطفى البابی الحلبی، 1358ھ)، ص507۔

[10] الرازی، محمد بن عمر، **المحصول**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1418ھ)، 2/123۔

[11] ابن قدامۃ، موفق الدین عبد اللہ بن احمد، **روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه**، (ریاض: دار عالم الکتب 1417ھ)، 2/203۔

[12] سورۃ الاعراف 33:07۔

[13] الشاطبی، **الموافقات في أصول الشريعة**، 4/294۔

References:

1. Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, Aḥmad ibn ʿAlī, Fatḥ al-Bārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Miṣr: al-Maktabah al-Salafiyyah, 1390 AH), 13/234.
2. al-Shāṭibī, Ibrāhīm ibn Mūsā, al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Sharīʿah (Beirut: Dār al-Maʿrifah lil-Ṭibāʿah wa al-Nashr, 1382 AH), 4/18.
3. al-Qarāfī, Aḥmad ibn ʿIdrīs, Anwār al-Barūq fī Anwāʾ al-Furūq (Beirut: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1439 AH), 1/176.
4. Ibn Qayyim al-Jawziyyah, Muḥammad ibn Abī Bakr, Iʿlām al-Muwāqqiʿīn ʿan Rabb al-ʿĀlamīn (Beirut: Dār Ibn Ḥazm, 1440 AH), 2/318.
5. al-Ghazālī, Muḥammad ibn Muḥammad, al-Mustafa min ʿIlm al-Uṣūl (Beirut: Dār Ṣādir, 1439 AH), 1/141.
6. al-Sarkẖsī, Muḥammad ibn Aḥmad, Uṣūl al-Sarkẖsī (Beirut: Dār al-Maʿrifah lil-Nashr wa al-Tawzīʿ, 1395 AH), 1/318.
7. Ibn ʿAbd al-Salām, ʿIzz al-Dīn ʿAbd al-ʿAzīz, Qawāʿid al-Aḥkām fī Maṣāliḥ al-Anām (Qāhira: Maktabat al-Kuliyyāt al-Azharīyah, 1414 AH), 1/8.
8. Ibn Taymiyyah, Taqī al-Dīn Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm, Majmūʿ al-Fatāwā (Madinah al-Munawwarah: Majmaʿ al-Malik Fahd li-Ṭibāʿat al-Muṣḥaf al-Sharīf, 1425 AH), 20/16.
9. al-Shāfiʿī, Muḥammad ibn Idrīs, al-Risālah (Qāhira: Maṭbaʿat Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1358 AH), 507.
10. al-Rāzī, Muḥammad ibn ʿUmar, al-Maḥṣūl (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1418 AH), 2/123.
11. Ibn Qudāmah, Muwaffaq al-Dīn ʿAbd Allāh ibn Aḥmad, Rawḍat al-Nāẓir wa Jannat al-Manāẓir fī Uṣūl al-Fiqh (Riyadh: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1417 AH), 2/203.
12. al-Qur'ān, Sūrat al-Aʿrāf 33:07.
13. al-Shāṭibī, al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Sharīʿah, 4/294.